
فیصل شہزاد کا نیا کارنامہ
چار بڑے

فیصل شہزاد اور ڈریکولا کا نیا جاسوسی کارنامہ نمبر ۱

چار بڑے

مظہر کلیم ایم اے

یوسف برادرز پاک گیٹ ملتان

ناشران ---- اشرف قریشی
---- یوسف قریشی
پرنٹر ---- محمد یونس
طابع ---- ندیم یونس پرنٹرز لاہور
قیمت ---- -/12 روپے



آپ سے باتیں

پیارے بچو! مجھے خوشی ہے کہ آپ نے اس براہ راست ملاقات والے سلسلے کو بے حد پسند کیا ہے۔ اور یقین جانو آپ کے خطوط سے میری میز بھر گئی ہے۔ اور خطوط ہیں کہ مسلسل چلے آ رہے ہیں۔ بہرحال جو خطوط اب تک مجھے ملے ہیں ان میں سب سے دلچسپ خط واہ کینٹ سے ارشاد رسول نے لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

"پیارے چچا جان! میں آٹھویں جماعت میں پڑھتا ہوں۔ اور فیصل شہزاد سیریز کی سب کتابیں میری ذاتی لائبریری میں موجود ہیں۔ اس کے علاوہ آپ کی لکھی ہوئی اور بھی بہت سی کتابیں میں نے خریدی ہیں۔ یوں تو آپ کی کتابیں بے حد دلچسپ ہوتی ہیں۔ لیکن فیصل شہزاد سیریز کا تو جواب ہی نہیں۔ البتہ اس کہانی میں مجھے ایک بات کھٹکتی ہے کہ شہزاد کو آپ نے اتنا پیٹو کیوں دکھایا ہے۔ کہ وہ بس مسلسل کھاتا ہی چلا جاتا ہے۔ بزرگوں سے سنا ہے کہ جو زیادہ کھاتا ہے اس کا دماغ کند ہو جاتا ہے۔

لیکن یہاں الٹا ہی معاملہ ہے کہ شہزاد کھاتا بھی زیادہ ہے اور اس کا دماغ بھی زیادہ تیز چلتا ہے۔ اب آپ بتائیے کہ ڈاکٹر کی بات سچ ہے یا بزرگوں کا کہا سچ ہے؟

پیارے بھتیجے! تمہارا خط پڑھ کر واقعی خوشی ہوئی ہے کہ تم نے ایک اچھا سوال کیا ہے۔ بزرگوں کا کہا واقعی سچ ہے کہ زیادہ کھانے والا کند ذہن ہوتا ہے۔ لیکن اگر کسی کا ذہن ہی پیٹ میں رکھا ہوا ہو۔ تو پھر ظاہر ہے کہ جب تک وہ کھائے گا نہیں اس کا ذہن کیسے چل سکتا ہے۔ شہزاد کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی معاملہ ہے۔ کھانا اس کے لئے پٹرول کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور جب تک پٹرول نہ ہو ذہن کی گاڑی چل ہی نہیں سکتی۔ بہرحال تم یہ تجربہ اپنے آپ پر نہ کر لینا ورنہ ظاہر ہے زیادہ کھانے کے بعد ڈاکٹر سے ملاقات ضروری ہو جائے گی۔

اچھا اجازت

والسلام

مظہر کلیم ایم اے

ارشاد رسول صاحب کو چار بڑے کی اعزازی جلد بھیج دی گئی ہے۔

"ادارہ"

ایمن والی کار بھی اچھل کر نیچے گڑھے میں جا گری تھی۔

وہ دونوں فضا میں تیرتے ہوئے نیچے گہرائی میں گرتے چلے گئے۔ ان دونوں نے اپنے آپ کو سنبھالنے کی بے حد کوشش کی لیکن بے سود۔ اچانک چوٹیں لگنے سے انہیں اپنے آپ پر قابو نہ رہا تھا۔ لیکن شاید ابھی ان کی زندگی باقی تھی کہ وہ جہاں جا کر گرے وہاں چٹانوں کی بجائے گھنی جھاڑیاں تھیں۔ اس لئے جھاڑیوں میں گرنے کی وجہ

سے ان کی ہڈیاں ٹوٹنے سے بچ گئیں۔
کچھ دیر تو وہ سکتے کی سی کیفیت
پڑے رہے۔ ان کے ذہنوں میں دھماکوں
کی بازگشت ابھی تک گونج رہی تھی۔
پھر انہیں دور بلندی سے ایک آواز سنائی
دی۔

"شہزادو! میں رضا بول رہا ہوں۔ کہاں ہو
تم؟ اوپر آجاؤ۔ میدان صاف ہے۔" یہ آواز
رضا کاشانی کی تھی۔

"ہم آرہے ہیں۔" ایک آواز دور دائیں
طرف سے سنائی دی۔

اسی لمحے خسرو کی کراہ ابھری۔ وہ اب
اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔ مسلم اصفہانی کا ذہن
بھی بیدار ہوگیا اور وہ بھی اچھل کر بیٹھ گیا
اس نے اپنے جسم پر بے اختیار ہاتھ پھیر
کر دیکھا اور یہ محسوس کر کے اُسے بے حد
خوشی ہوئی کہ اس کا جسم صحیح سالم تھا
اس کے ساتھ ساتھ اس کے دل میں لڈو
پھوٹ رہے تھے۔ رضا کاشانی اور شہزادو کی

آوازیں سن کر اُسے یوں محسوس ہو رہا
تھا جیسے اس کے کاندھوں سے کسی نے
بہت بڑا بوجھ اتار پھینکا ہو۔ دراصل یہ خوشی
خسرو کے حملے کی ناکامی کی وجہ سے تھی۔

"یہ لوگ بچ نکلے ہیں۔" خسرو نے اٹھ
کر کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ اس کے لہجے
میں غصے کے ساتھ ساتھ حیرت بھی شامل
تھی۔

"ہاں! نہ صرف بچ نکلے ہیں بلکہ ہمارا بھی
خاتمہ کر گئے ہیں۔ اب یہ اتفاق تھا کہ ہم
گھنی جھاڑیوں میں آگرے۔ اگر کہیں چٹانوں
پر گرتے تو اب تک ہماری روحیں خلا میں
ناچ رہی ہوتیں۔" مسلم اصفہانی نے طنزیہ
انداز میں جواب دیتے ہوئے کہا۔

"میں انہیں کچا چبا جاؤں گا۔ نجانے یہ
شیطان کی اولاد کیسے بچ نکلے ہیں۔ اگر
مجھے پتہ ہوتا تو میں ان کے ساتھ خود
نیچے جاتا۔" خسرو نے غصیلے لہجے میں کہا اور
اس کے ساتھ ہی اس نے قدم اوپر کی

طرف بڑھائے۔

"اور ہوسکتا تھا کہ امین کی طرح تمہاری لاش بھی وہیں چٹان پر پڑی ہوتی۔" مسلم اصفہانی نے کہا۔

"یُو شٹ اَپ! تم طنزیہ لہجے میں میرے ساتھ مت بات کرو۔ یہ لوگ میرے سامنے کیا حیثیت رکھتے ہیں۔ کیا ہوا اگر میرا ایک وار خالی چلاگیا ہے۔" خسرو نے غصے کی شدت سے مسلم اصفہانی کو ڈانٹ دیا۔

"تم غصے میں پاگل ہو رہے ہو اور نجانے اپنے آپ کو کیا سمجھ رہے ہو۔ میری حیثیت آج بھی تم سے زیادہ ہے۔ میں دیکھوں گا کہ تم ان پر کیسے قابو پاتے ہو۔ یہ لوگ تمہارے بس کا روگ نہیں ہیں۔ اور یہ بھی سُن لو کہ آخرکار مسلم اصفہانی ہی انہیں موت کے گھاٹ اتارے گا۔" مسلم اصفہانی نے بھی غصیلے لہجے میں کہا۔

"ہوں! اگر تم ان پر قابو پاسکتے تو اب تک پاچکے ہوتے۔" خسرو نے نفرت بھرے لہجے

میں جواب دیتے ہوئے کہا۔

اسی طرح آپس میں لڑتے جھگڑتے یہ دونوں اوپر چڑھتے ہوئے آخرکار سڑک پر پہنچ گئے۔ سڑک صاف پڑی ہوئی تھی۔ رضا کاشانی اور اس کے ساتھی سٹیشن ویگن لے کر جا چکے تھے۔

"اب کیا پروگرام ہے"؟ مسلم اصفہانی نے پوچھا۔

"مجھے صرف ایک ٹیلیفون کرنا ہوگا اور پھر دیکھنا یہ لوگ کیسے میرے ہاتھ سے بچتے ہیں۔" خسرو نے جھلاتے ہوئے لہجے میں کہا اور پھر وہ تیز تیز قدم اٹھاتا گلستان کالونی کے چوک کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ مسلم اصفہانی بھی اس کے ساتھ تھا۔

"فیصل فیصل! اب ہوش میں آ جاؤ یار! نہ صرف ہم بچ نکلے ہیں بلکہ کھانا بھی تیار ہوگیا ہے۔" شہزاد نے فیصل کو جھنجوڑتے ہوئے کہا۔ اور فیصل نے بھی آنکھیں کھول دیں۔ اس کی آنکھوں میں بے پناہ دہشت تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ کھلی آنکھوں سے موت کو دیکھ رہا ہو۔

"ہم بچ گئے ہیں! یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" فیصل نے انتہائی خوف زدہ انداز میں بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

"یقین کرو۔ نہ صرف ہم بچ نکلے ہیں

بلکہ اب ہم محفوظ جگہ پر ہیں۔" شہزاد نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"یار شہزاد! خدا کے لیے یہاں سے نکل چلو۔ یہاں ہر طرف موت ہی موت ہے۔ ان لوگوں کو آپس میں لڑنے دو۔ آخر ہمیں یوں مرنے کی کیا ضرورت ہے؟" فیصل نے اٹھ کر باقاعدہ شہزاد کے آگے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔ اس کا لہجہ رو دینے والا تھا۔

"اچھا اچھا چلے جائیں گے۔ کھانا تو کھالیں۔ آؤ میرے ساتھ۔" شہزاد نے اس کے کندھے پر تھپکی دیتے ہوئے کہا۔

"تم کھاؤ مجھے بھوک نہیں ہے۔" فیصل نے برا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔

"تمہاری مرضی! میری بھوک تو اب اس انتہا پر پہنچ گئی ہے کہ مجھ سے اب مزید برداشت نہیں ہو سکتا۔" شہزاد نے اٹھتے ہوئے کہا اور پھر وہ تیز تیز قدم اٹھاتا کمرے سے باہر نکلتا چلا گیا۔

"فیصل فیصل! اب ہوش میں آ جاؤ یار! نہ صرف ہم بچ نکلے ہیں بلکہ کھانا بھی تیار ہو گیا ہے۔" شہزاد نے فیصل کو جھنجوڑتے ہوئے کہا۔ اور فیصل نے بھی آنکھیں کھول دیں۔ اس کی آنکھوں میں بے پناہ دہشت تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ کھلی آنکھوں سے موت کو دیکھ رہا ہو۔

"ہم بچ گئے ہیں! یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" فیصل نے انتہائی خوف زدہ انداز میں بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

"یقین کرو۔ نہ صرف ہم بچ نکلے ہیں

بلکہ اب ہم محفوظ جگہ پر ہیں۔" شہزاد نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"یار شہزاد! خدا کے لئے یہاں سے نکل چلو۔ یہاں ہر طرف موت ہی موت ہے۔ ان لوگوں کو آپس میں لڑنے دو۔ آخر ہمیں یوں مرنے کی کیا ضرورت ہے؟" فیصل نے اٹھ کر باقاعدہ شہزاد کے آگے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔ اس کا لہجہ رو دینے والا تھا۔

"اچھا اچھا چلے جائیں گے۔ کھانا تو کھا لیں۔ آؤ میرے ساتھ۔" شہزاد نے اس کے کندھے پر تھپکی دیتے ہوئے کہا۔

"تم کھاؤ مجھے بھوک نہیں ہے۔" فیصل نے برا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔

"تمہاری مرضی! میری بھوک تو اب اس انتہا پر پہنچ گئی ہے کہ مجھ سے اب مزید برداشت نہیں ہو سکتا۔" شہزاد نے اٹھتے ہوئے کہا اور پھر وہ تیز تیز قدم اٹھاتا کمرے سے باہر نکلتا چلا گیا۔

فیصل، شہزاد کے جانے کے بعد وہیں بستر پر بیٹھا سوچتا رہا۔ اس کا دل کہہ رہا تھا کہ شہزاد یہاں سے نہ جاتے گا اور کسی روز وہ ان مجرموں کے ہاتھوں مارے جائیں گے۔ اب فیصل بیٹھا یہ سوچ رہا تھا کہ ایسی کونسی ترکیب کی جائے جس سے وہ نہ صرف خود یہاں سے نکل جائے بلکہ شہزاد کو بھی یہاں سے نکلنے پر مجبور کر دے۔

آخر سوچ سوچ کر ایک ترکیب اس کے ذہن میں آئی اور اس نے فوراً ہی اس پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس نے سوچا کہ یہ لوگ کھانا کھانے میں مصروف ہیں اس لئے وہ چپکے سے اس عمارت سے نکل جائے اور ٹیکسی پکڑ کر سیدھا وزیرِاعظم ہاؤس پہنچ جائے اور وہاں جاکر وزیرِاعظم صاحب سے درخواست کرے کہ وہ انہیں اپنے ملک سے بھجوا دیں۔ اُسے یقین تھا کہ جب وزیرِاعظم سے کہے گا کہ وہ اب کسی بھی

قیمت پر یہاں نہیں رہنا چاہتے تو پھر وزیرِاعظم انہیں وہاں سے بھیجنے پر مجبور ہو جائیں گے اور اس کے حکم پر شہزاد بھی یہاں سے جانے پر مجبور ہو جائیگا۔

چنانچہ یہی فیصلہ کر کے وہ اٹھا اور پھر آہستہ سے کمرے سے باہر آگیا۔ کمرے کا دروازہ ایک برآمدے میں کھلتا تھا اور برآمدے کے سامنے ایک بڑا سا لان تھا جس کے آخر میں پھاٹک نظر آ رہا تھا۔ رات کی سیاہی اب ختم ہو چکی تھی اور دن کے نکلنے کے آثار ہو چلے تھے۔

فیصل نے اِدھر اُدھر دیکھا اور جب اس نے لان میں کسی آدمی کو نہ پایا تو وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا پھاٹک کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

پھاٹک کے قریب پہنچ کر اس نے چھوٹی کھڑکی آہستگی سے کھولی اور پھر کھڑکی پار کرکے وہ باہر سڑک پر آگیا۔ سڑک پر اب آمدورفت شروع ہو گئی تھی۔

فیصل نے ایک نظر مڑ کر عمارت پر ڈالی اور پھر تیزی سے آگے بڑھتا چلا گیا۔ وہ جلد از جلد یہاں سے دور نکل جانا چاہتا تھا۔ اُسے خطرہ تھا کہ اگر شہزاد اور رضا کاشانی کو اس کے غائب ہونے کا فوراً ہی پتہ چل گیا تو وہ اُسے گھیر کر واپس چلنے پر مجبور کر دیں گے۔ یہی وجہ تھی کہ کوٹھی سے نکلنے کے بعد اس کی رفتار لمحہ بہ لمحہ تیز ہوتی جا رہی تھی۔

کوٹھی سے کافی دُور آنے کے بعد وہ ایک چوک میں پہنچ گیا جہاں تقریباً آدھی سے زیادہ دکانیں کھل چکی تھیں اور خاصی چہل پہل تھی۔

فیصل ٹیکسی کے انتظار میں وہیں رُک گیا۔ لیکن وہاں اُسے دُور و نزدیک کوئی ٹیکسی نظر نہ آرہی تھی۔ ادھر اُسے شہزاد کی طرف سے بھی خطرہ تھا۔ اس لئے اس نے یہی فیصلہ کیا کہ ٹیکسی کا انتظار کرنے کی بجائے وہ کسی کار میں لفٹ لے کر شہر پہنچ جائے۔ وہاں

سے نہ صرف ٹیکسی آسانی سے مل جائے گی بلکہ وہ وزیرِاعظم ہاؤس تک بھی پہنچ سکے گا۔ اور اُسی لمحے اُسے دُور سے سرخ رنگ کی ایک کار آتی دکھائی دی اور فیصل نے آگے بڑھ کر اسے رکنے کا اشارہ کیا۔ کار کی رفتار یکدم آہستہ ہوئی اور پھر فیصل کے قریب آکر رک گئی۔

"مجھے شہر تک لے چلیں۔ آپکی مہربانی ہوگی۔" فیصل نے کار کے ڈرائیور سے مخاطب ہوکر کہا۔

"پچھلی سیٹ پر بیٹھ جاؤ۔" ڈرائیور نے قدرے سخت لہجے میں کہا۔

اور فیصل نے اس کے لہجے کی پرواہ کئے بغیر پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا اور اچھل کر اندر بیٹھ گیا۔

کار میں صرف ڈرائیور ہی تھا۔ اس لئے فیصل اطمینان سے سیٹ پر بیٹھ گیا تھا اس کے بیٹھتے ہی کار ایک جھٹکا لے کر آگے بڑھی اور تیزی سے شہر کی طرف

دوڑتی چلی گئی۔

"تم اتنی صبح کہاں سے آرہے ہو؟" ڈرائیور نے بغیر پیچھے مڑے پوچھا۔

"گلستان کالونی سے آ رہا ہوں مجھے شہر میں ایک ضروری کام ہے۔" فیصل نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

"ہوں۔" ڈرائیور نے کہا اور پھر خاموش ہو گیا۔

کار خاصی تیز رفتاری سے آگے بڑھتی چلی گئی۔ اور پھر کافی دور آنے کے بعد جب وہ شہر کی بجائے ایک مضافاتی کالونی کی طرف مڑ گئی۔ تو فیصل بے اختیار چونک پڑا۔ کیونکہ اس نے چوک پر لگے ہوئے نشانات دیکھ لئے تھے کہ جس سڑک پر کار مڑی ہے وہ شہر کی طرف جانے کی بجائے ایک مضافاتی کالونی کی طرف جا رہی ہے۔

"میں نے شہر جانا ہے محترم! آپ کہاں جا رہے ہیں؟" فیصل نے لہجے کو مؤدبانہ رکھتے ہوئے کہا۔

"یہاں مجھے ایک ضروری کام ہے۔ صرف ایک پیغام دینا ہے۔ اس کے بعد شہر چلیں گے۔" ڈرائیور نے نرم لہجے میں جواب دیا اور فیصل نے مطمئن ہو کر کار کی سیٹ سے پشت لگا لی۔

کار چند لمحوں بعد ہی ایک نئی تعمیر شدہ کالونی میں داخل ہو گئی اور پھر وہ ایک عمارت کے پھاٹک پر جا کر رک گئی۔ ڈرائیور نے تین بار ہارن بجایا تو پھاٹک خودبخود کھلتا چلا گیا۔ اور کار کوٹھی کے اندر داخل ہو گئی۔

یہ ایک وسیع و عریض کوٹھی تھی۔ کار اس کے پورچ میں جا کر رک گئی اور ڈرائیور دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔

"تم بھی آجاؤ۔ صرف چند منٹ لگیں گے پھر واپس چلتے ہیں۔" ڈرائیور نے فیصل کی طرف کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ اور فیصل نہ چاہنے کے باوجود باہر آگیا اور پھر وہ ڈرائیور کے پیچھے چلتا ہوا عمارت میں داخل ہو گیا۔ درمیانی گیلری سے گزرنے کے بعد ڈرائیور

نے ایک دروازے کو دھکا دیا تو وہ کھلتا چلا گیا۔ اور پھر ڈرائیور کے بعد فیصل بھی کمرے میں داخل ہوگیا۔ یہ کمرہ بڑے سادہ سے انداز میں سجا ہوا تھا۔

"تم یہیں بیٹھو! میں ایک آدمی سے مل کر ابھی آیا۔" ڈرائیور نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"جلدی آنا۔ مجھے بے حد ضروری کام ہے۔" فیصل نے بُرا سا منہ بناتے ہوئے جواب دیا۔

"بس ابھی آیا۔" ڈرائیور نے جواب دیا اور پھر تیزی سے چلتا ہوا کمرے سے باہر نکلتا چلا گیا۔

ادھر فیصل کرسی پر بیٹھا سوچ رہا تھا کہ اب شہزاد اور رضا کاشانی کو اس کی گمشدگی کا پتہ چل گیا ہوگا اور وہ نجانے اس کے متعلق کیا سوچ رہے ہونگے اور کیا کر رہے ہوں گے؟

ابھی وہ یہی باتیں بیٹھا سوچ رہا تھا کہ اچانک کمرے کا دروازہ کھلا اور تین

افراد اچھل کر اندر آگئے۔ ان میں سے دو کے ہاتھوں میں مشین گنیں تھیں جبکہ ایک خالی ہاتھ تھا۔ اور پھر ڈرائیور بھی اندر آ گیا۔

فیصل خالی ہاتھ والے کو دیکھتے ہی بُری طرح اچھلا۔ اس کے ذہن میں دھماکے سے ہونے لگے۔ کیونکہ خالی ہاتھ والا ان کا پرانا دشمن مسلم اصفہانی تھا۔

"بالکل ٹھیک ہے زاہدی! یہ لڑکا شہزاد کا ساتھی ہے۔ اب میں دیکھوں گا کہ شہزاد کیسے مجھ سے بازی لے جاتا ہے۔" مسلم اصفہانی کے لہجے میں بے پناہ مسرت تھی۔ وہ اسی ڈرائیور سے مخاطب تھا۔

"میں نے ایک بار اسے دیکھا تھا اس لئے مجھے اس پر شک ہوا چنانچہ میں اسے یہاں لے آیا تاکہ آپ کو دکھا سکوں۔" زاہدی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"تم نے کارنامہ انجام دیا ہے زاہدی! میں تمہیں بے پناہ انعام دونگا۔" مسلم اصفہانی نے

چیختے ہوئے جواب دیا۔

ادھر فیصل کا یہ حال تھا کہ جیسے اس کے جسم کا تمام خون خشک ہو گیا ہو۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے مسلم اصفہانی کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے ذہن میں آندھیاں چل رہی تھیں۔ وہ موت سے بچنے کے لئے شہزاد کو چھوڑ کر نکلا تھا اور خود موت کے منہ میں آ پھنسا تھا۔

"ہاں تو لڑکے! تمہارا نام شاید فیصل ہے"۔ مسلم اصفہانی نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

"ج جی ہاں۔ میرا نام فیصل ہے"۔ فیصل نے لرزتے ہوئے لہجے میں اٹک اٹک کر جواب دیا۔

"تمہارے ساتھی کہاں ہیں؟" مسلم اصفہانی نے اس کے سامنے آکر اپنے قدم روکتے ہوئے پوچھا۔

"جی وہ گلستان کالونی میں ہیں اور میں وہاں سے چھپ کر نکل آیا ہوں۔ میں ان کا ساتھی نہیں ہوں۔ اب میں اس ملک

سے جانا چاہتا ہوں"۔ فیصل نے لرزتے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔ اس کا گلا بھر آیا تھا۔

"اس ملک سے نہیں بلکہ اب تم اس دنیا سے ہی چلے جاؤ گے۔ تم لوگوں نے مجھے کہیں کا نہیں رکھا اور میں تم سے ایسا انتقام لوں گا کہ تمہارا پورا ملک تمہاری لاشوں سے عبرت حاصل کرتا رہے گا"۔ مسلم اصفہانی نے غراتے ہوئے کہا اور اس کے ساتھ ہی اس کا دایاں ہاتھ انتہائی تیزی سے حرکت میں آیا اور کمرہ تھپڑ کی بھرپور آواز سے گونج اٹھا۔ تھپڑ کی گونج میں فیصل کی چیخ دب سی گئی۔

فیصل تھپڑ کھا کر منہ کے بل فرش پر جا گرا تھا۔

"مم مجھے معاف کر دو۔ سب کچھ شہزاد نے کیا ہے۔ میں نے کچھ نہیں کیا۔ میں بے قصور ہوں"۔ فیصل نے فرش سے اٹھکر روتے ہوئے کہا۔ اس کی آنکھوں سے بے اختیار

آنسو بہہ نکلے تھے۔

"ہوں! سب کچھ شہزاد نے کیا تھا۔ بزدل پاکیشیا کے بزدل جاسوس"۔ مسلم اصفہانی نے انتہائی حقارت بھرے انداز میں فرش پر تھوکتے ہوئے کہا۔

اور اس کا یہ فقرہ سنتے ہی فیصل کے جسم میں جیسے آگ لگ گئی ہو۔ اگر مسلم اصفہانی صرف اُسے بزدل کہہ دیتا تو شائد اس صورت حال میں فیصل برداشت کر جاتا لیکن وہ اپنے ملک اور اپنے وطن کے لئے بزدل کا لفظ برداشت نہ کر سکا۔ اسے یوں محسوس ہوا کہ جیسے اس کے جسم میں آگ کی ایک لہر سی دوڑتی چلی گئی ہو۔ اور آنکھوں سے چنگاریاں سی نکلنے لگیں۔

"تم تمہاری یہ جرأت کہ میرے ملک کے لئے بزدل کا لفظ استعمال کرو۔ میں تمہارا خون پی جاؤں گا"۔ فیصل نے غصے سے چیختے ہوئے کہا اور دوسرے لمحے وہ بجلی

کی سی تیزی سے دوڑتا ہوا مسلم اصفہانی کی طرف بڑھا اور اس نے پوری قوت سے اس کے سینے میں بگڑے ہوئے سانڈ کی طرح ٹکر مار دی۔

مسلم اصفہانی کے شائد تصور میں بھی یہ بات نہ آ سکتی تھی کہ فیصل جو خوف کے مارے لرز رہا تھا اور جس کی آنکھوں سے مسلسل آنسو بہہ رہے تھے، یوں اچانک بپھر جائے گا۔ یہی وجہ تھی کہ فیصل نے جب اس کے پیٹ میں ٹکر ماری تو وہ اپنا بچاؤ نہ کر سکا اور فیصل کی بھرپور ٹکر سے اچھل کر پیچھے کھڑے ہوئے مشین گن برداروں پر جا گرا۔ اس کے حلق سے بے اختیار چیخ نکل گئی۔

"کمینے! تم میرے عظیم ملک کو برا بھلا کہہ رہے ہو"۔ فیصل نے پاگلوں کی طرح چیختے ہوئے کہا اور دوسرے لمحے اس نے اچھل کر دونوں ٹانگیں حیران کھڑے ڈرائیور کے سینے پر مار دیں اور ڈرائیور کا حشر

بھی مسلم اصفہانی جیسا ہوا۔ ڈرائیور اچھل کر
اٹھتے ہوئے ساتھیوں سے جا ٹکرایا اور
فیصل ان میں سے ایک مشین گن بردار
پر الٹ پڑا۔ اس کا چہرہ اس حد تک
غضب ناک ہو چکا تھا کہ یوں لگتا تھا
جیسے جوش کی شدت کی وجہ سے اس
کا گلا ابھی پھٹ جائے گا۔ مشین گن
بردار نے دونوں گھٹنے اس کے سینے پر
مارنے چاہے لیکن فیصل نے انتہائی پھرتی
سے اس کی مشین گن کی نال پکڑی اور
ایک زور دار جھٹکا دے کر مشین گن اس
کے ہاتھوں سے چھین لی۔

اسی لمحے دوسرے مشین گن بردار نے
پھرتی سے اٹھ کر اپنی مشین گن فیصل کی
طرف سیدھی لیکن اس سے پہلے کہ وہ ٹریگر
دباتا، فیصل نے بجلی کی سی تیزی سے
ہاتھ میں پکڑی ہوئی مشین گن کو کسی لاٹھی
کی طرح گھما دیا اور اس کی مشین گن
کا دستہ پوری قوت سے دوسری مشین گن

پر پڑا اور دوسری مشین گن اس آدمی
کے ہاتھ سے نکل کر کمرے کی مقابل
دیوار سے جا ٹکرائی۔ اتنی دیر میں مسلم اصفہانی
نے اچھل کر فیصل کی ٹانگ پکڑنی چاہی۔
لیکن فیصل پر تو جنون سوار تھا۔ اس
نے مشین گن کو ایک بار پھر گھمایا اور
اس کا دستہ مسلم اصفہانی کے دائیں
کاندھے پر پوری قوت سے پڑا اور مسلم
اصفہانی کے حلق سے نکلنے والی چیخ سے
کمرہ گونج اٹھا۔ وہ زمین پر گر کر لوٹن کبوتر
کی طرح چکریاں کھانے لگا۔

ڈرائیور نے اس دوران اچھل کر فیصل
پر حملہ کرنا چاہا لیکن فیصل تو بجلی بنا ہوا
تھا۔ اس کے ہاتھ میں پکڑی ہوئی مشین
گن ایک بار پھر لاٹھی کی طرح گھومی اور
ڈرائیور کے سر پر اس کا دستہ اتنی
قوت سے پڑا کہ چٹاخ کی آواز سے ڈرائیور
کا سر کسی تربوز کی طرح پھٹتا چلا گیا۔

"بھاگو! یہ پاگل ہو گیا ہے۔" مسلم اصفہانی

نے چیختے ہوئے کہا اور پھر تیزی سے اٹھ کر یوں دروازے کی طرف بھاگا جیسے موت اس کا پیچھا کر رہی ہو۔

"اب بھاگتے ہو کمینے بزدل۔ میرے ملک کو گالی دے کر اب بھاگتے ہو" فیصل نے چیختے ہوئے کہا اور پھر وہ سوچے سمجھے بغیر بے تحاشا اس کے پیچھے بھاگتا چلا گیا۔ اس کے باقی دو افراد کی پھاڑ کھا کی وجہ سے باتیں کرتے ہوئے تھے اور مسلم اصفہانی کے کہنے پر اٹھ کر بھاگنے کے لئے پر تول رہے تھے۔

دروازے سے نکل کر فیصل چیختا ہوا گیلری میں دوڑتے ہوئے مسلم اصفہانی کے پیچھے بھاگنے لگا اسے جوش اور غصے میں اس بات کا بھی خیال نہ رہا کہ وہ مشین گن سیدھی کر کے اس پر فائر کھول دے وہ مشین گن کو اسی طرح نال کی طرف سے کسی لاٹھی کی طرح پکڑے مسلم اصفہانی کے پیچھے بھاگتا چلا گیا۔

مسلم اصفہانی کا ایک بازو لٹکا ہوا تھا لیکن وہ اس بے تحاشا انداز میں بھاگا چلا جا رہا تھا جیسے اولمپک کھیلوں میں ریس لگا رہا ہو۔

جب فیصل اس کے پیچھے دوڑتا ہوا برآمدے تک پہنچا تو مسلم اصفہانی پورچ میں کھڑی کار میں سوار بھی ہو چکا تھا اور جب تک فیصل پورچ تک پہنچتا کار تیزی سے مڑنے کے بعد پھر انتہائی تیز رفتاری سے پھاٹک کی طرف دوڑتی ہوئی چلی گئی۔

"ٹھہرو بزدل! اب بھاگ رہے ہو ٹھہرو میں تمہیں بتاتا ہوں کہ پاکستان بزدل لوگوں کا نہیں۔ بہادروں کا ملک ہے" فیصل نے کار کے پیچھے دوڑنے کے ساتھ ساتھ چیختے ہوئے کہا۔ اور ابھی اس نے آدھا لان بھی سر نہ کیا تھا کہ مسلم اصفہانی کی کار پھاٹک کے قریب پہنچ گئی اور پھر

شاید کار کے اندر سے ہی پھاٹک کو کھولنے کا کوئی سسٹم موجود تھا، کیونکہ جیسے ہی کار پھاٹک کے قریب پہنچی پھاٹک خود بخود کھلتا چلا گیا اور مسلم اصفہانی کی کار پھاٹک کراس کر کے باہر نکلتی چلی گئی۔

اور پھر اس سے پہلے کہ فیصل پھاٹک کے قریب پہنچتا، اچانک اس پر پیچھے سے مشین گن کا فائر ہوا۔ دراصل غصے اور جوش کی شدت میں فیصل ان دو آدمیوں اور دوسری مشین گن کو ہی بھول چکا تھا اور ان لوگوں کے لئے اتنی مہلت ہی کافی تھی۔ ان میں سے ایک نے مشین گن اٹھائی اور پھر وہ دونوں باہر آگئے تھے۔

اب اسے ان کی بدقسمتی تھی یا پھر اسے فیصل کی خوش قسمتی سمجھا جاسکتا تھا کہ جب انہوں نے فیصل پر مشین گن کا فائر کھولا اس وقت فیصل پھاٹک کے قریب پہنچ چکا تھا اور بے تحاشا دوڑنے کے بعد

جب مسلم اصفہانی باہر نکل جانے میں کامیاب ہوگیا تو مایوسی کے عالم میں اس کی رفتار خود بخود آہستہ ہوگئی اور اچانک آہستہ ہونے کی بنا پر اُسے ٹھوکر لگی اور وہ منہ کے بل فرش پر گرتا چلا گیا اور یہ عین وہی لمحہ تھا جب اس پر پیچھے سے مشین گن کا فائر کیا گیا تھا۔ فیصل کے اچانک گرنے کی وجہ سے گولیاں اس کے اوپر سے گزرتی چلی گئیں۔

فیصل نے نیچے گرتے ہی اپنے آپ کو سنبھالنا چاہا مگر اچانک گرنے کی وجہ سے وہ خود بخود تین قلابازیاں کھا گیا اور ان قلابازیوں کی وجہ سے اس کا جسم درمیانی راستے کے اطراف میں موجود مہندی کی باڑ کے ایک حصے میں جاگرا اور اس طرح وہ مشین گن کے فائر کی براہ راست زد سے بچ نکلا۔

مہندی کی باڑ میں گرتے ہی مشین گن اس کے ہاتھ سے چھوٹنے لگی لیکن اس

نے پھرتی سے اُسے سنبھال لیا لیکن اس بار اس کی گرفت مشین گن کے دستے پر پڑی اور پھر فیصل کو محسوس بھی نہ ہوسکا کہ دستے پر گرفت پڑتے ہی اس کی انگلی کس طرح ٹریگر پر پڑی اور پھر مشین گن کی نال سے گولیوں کی تڑتڑاہٹ گونج اٹھی۔ اور الٹ ہو جانے کی وجہ سے اس کا رخ چونکہ برآمدے کی طرف ہی تھا اس لئے گولیاں سیدھی ان دو افراد پر پڑیں جو اب برآمدے سے اتر کر فیصل کی طرف دوڑتے چلے آرہے تھے اور پہلے ہی وار میں ایک آدمی چیختا ہوا لڑکھڑا کر نیچے گرا۔ گولیاں اس کے سینے پر پڑی تھیں دوسرے نے جس کے ہاتھ میں مشین گن پکڑی ہوئی تھی، اچھل کر برآمدے کے ایک ستون کی آڑ لینی چاہی لیکن اب فیصل سنبھل چکا تھا اس لئے اس نے بھی مشین گن کا رُخ ساتھ ہی بدل دیا اور اس آدمی کے ستون کی آڑ میں پہنچنے سے پہلے ہی گولیوں

نے اُسے جالیا اور پھر وہ بھی لٹو کی طرح گھومتا ہوا فرش پر جا گرا۔ مشین گن اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر دُور جاگری تھی فیصل نے جوش کی شدت میں ان دونوں کے گرنے کے باوجود بھی ٹریگر سے انگلی نہ ہٹائی اور اس وقت تک مسلسل فائرنگ جاری رکھی جب تک کہ مشین گن کا راؤنڈ مکمل طور پر نہ ختم ہوگیا۔ جب مشین گن سے گولیاں نکلنی بند ہوئیں تو فیصل نے مشین گن ایک طرف پھینکی اور پھر اچھل کر کھڑا ہوگیا۔

"ہوں! بڑے آئے تھے میرے حلق کو بزدل کہنے والے"، فیصل نے کپڑے جھاڑتے ہوئے کہا۔ اب اس کا ذہن آہستہ آہستہ معمول پر آتا جارہا تھا۔

دوسرے لمحے فیصل چونک پڑا کیونکہ پولیس کی گاڑیوں کے سائرن اس کے کانوں تک پہنچے اور پھر اسے یوں محسوس ہوا کہ جیسے سائرنوں نے پوری عمارت کو گھیر لیا ہو اور

ابھی وہ ان سائرنوں پر غور ہی کر رہا تھا کہ اچانک عمارت کی دیواروں پر سے پولیس کے افراد نمودار ہوتے اور پھر وہ اندر کود آئے۔

"خبردار! ہاتھ اٹھا دو" سپاہیوں نے لاش کے درمیان میں کھڑے فیصل کو دیکھتے ہی چیخ کر کہا۔

"کیوں اٹھاؤں ہاتھ؟ انہوں نے میرے ملک کو گالی دی تھی" فیصل نے غصیلے لہجے میں جواب دیا۔ مگر اتنی دیر میں سپاہیوں نے اسے گھیر لیا اور پھر ایک سپاہی نے بڑی پھرتی سے اس کے دونوں بازو پکڑے اور انہیں تیزی سے پیچھے موڑ کر دونوں ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دیں۔ اب فیصل کے دونوں ہاتھ اس کی پشت پر ہتھکڑیوں میں جکڑے گئے تھے۔

اسی اثناء میں کسی سپاہی نے پھاٹک کھول دیا اور پھر تین چار پولیس گاڑیاں اندر داخل ہو گئیں۔ اور پھر پولیس کے کئی اعلیٰ افسر

گاڑیوں سے اتر کر فیصل کے ارد گرد پھیل گئے۔

"کون ہو تم؟ اور یہ فائرنگ تم کر رہے تھے؟" ایک پولیس آفیسر نے کرخت لہجے میں فیصل سے مخاطب ہو کر کہا۔

"ہاں! میں کر رہا تھا۔ ان لوگوں نے میرے ملک کو گالی دی تھی" فیصل نے برا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔

"صاحب! برآمدے کے پاس دو افراد کی لاشیں پڑی ہوئی ہیں اور ایک مسلح گن مین بھی موجود ہے اور اندر کمرے میں بھی ایک آدمی کی لاش پڑی ہوئی ہے۔ اس کا سر لاٹھی کی ضرب سے پھاڑ دیا گیا ہے" ایک سپاہی نے تیز لہجے میں آکر پولیس کے اس اعلیٰ افسر کو رپورٹ پیش کرتے ہوئے کہا۔

"اوہ! تین قتل" پولیس آفیسر نے غضبناک لہجے میں کہا۔

"ان تینوں کو میں نے مارا ہے۔ اس

کا چوتھا ساتھی بھاگ گیا ہے۔ اور وہ پہ بلایا تھا۔ تمہیں یقین نہ آئے تو وزیراعظم
مسلم اصفہانی تھا۔ تمہارے ملک کا غدار صاحب کو فون کر کے پوچھ لو۔ فیصل نے
کالا گلاب تنظیم کا سربراہ۔ فیصل نے بڑے جواب دیا۔
فاخرانہ لہجے میں کہا۔
"اوہ! تو تم وہ جاسوس ہو جسے ہماری
"مسلم اصفہانی —— کالا گلاب کا سربراہ —— حکومت نے بلایا تھا —— بہت خوب ——
کیا کہہ رہے ہو تم؟ ہم تو ایک ہی شکل دیکھی ہے اپنی؟ تم کیا سمجھتے
مسلم اصفہانی کو جانتے ہیں جو سیکرٹ سروس ہو کر ہمیں چکر دے جاؤ گے؟ ابھی تم
کا چیف ہے۔" پولیس آفیسر نے حیران ہوتے بچے ہو برخوردار۔" پولیس آفیسر نے بڑے
ہوئے کہا۔
طنزیہ لہجے میں کہا۔
"ہاں وہی، وہ سیکرٹ سروس کا چیف اور پھر پولیس آفیسر نے سپاہیوں کو
بھی بنا ہوا تھا اور غدار بھی۔" فیصل نے اسے لے جانے کا اشارہ کیا اور سپاہی
خوش ہوتے ہوئے جواب دیا۔ فیصل کو دھکیلتے ہوئے ایک کار کی طرف
لے گئے۔
"اسے پولیس ہیڈ کوارٹر لے چلو۔ مجھے یہ
خود کسی ملک کا جاسوس معلوم ہوتا ہے۔" اور پھر انہوں نے جبراً فیصل کو ایک
پولیس آفیسر نے سپاہیوں کو حکم دیتے ہوئے کار کی پچھلی نشست پر بٹھا دیا۔ اس
کہا۔ کے دونوں اطراف میں دو سپاہی بیٹھ گئے
"ہاں! میں پاکیشیا کا جاسوس ہوں۔ میرا جب کہ وہ پولیس آفیسر باقی سپاہیوں
نام فیصل ہے۔ میرا ایک ساتھی شہزاد ہے۔ کو ہدایات دے کر کار کی فرنٹ سیٹ
ہم دونوں کو حکومتِ آران نے خاص طور پر آکر بیٹھ گیا۔ اس کے بیٹھتے ہی ڈرائیور

نے کار موڑی اور پھر کار پھاٹک
باہر نکل کر تیز رفتاری سے پولیس ہیڈ
کی طرف بڑھتی چلی گئی۔
فیصل بڑے مطمئن انداز میں کار
بیٹھا تھا کیونکہ اُسے یقین تھا کہ جب
بھی وہ وزیرِاعظم کو ٹیلی فون کریگا، سارے
مسئلے حل ہو جائیں گے۔

خسرو اور مسلم اصفہانی تھوڑی ہی دیر
میں گلستان کالونی کے پہلے چوک پر پہنچ
گئے اور پھر خسرو نے ایک کیفے کے
کاؤنٹر سے فون کرنا شروع کردیا۔ نمبر گھماتے
ہی رابطہ قائم ہوگیا۔
"یس زاہد کی سپیکنگ" دوسری طرف سے ایک
آواز سنائی دی۔
"خسرو سپیکنگ" خسرو نے کرخت لہجے
میں کہا۔
"یس باس فرمایئے" دوسری طرف سے بولنے
والے کا لہجہ یکدم مودبانہ ہو گیا۔

"گلستان کالونی کے پہلے چوک پر ا
ایک کار بھیجو۔ میں وہیں موجود ہوں" خ
نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"بہتر باس! ابھی پہنچ جاتی ہے" دو
طرف سے جواب دیا گیا۔

اور خسرو نے رسیور کریڈل پر رکھ

"اب تمہارا کیا پروگرام ہے؟" خسرو نے
رسیور رکھتے ہی مسلم اصفہانی سے مخاطب
کر کہا۔ اس کا لہجہ ایسا تھا کہ جیسے
وہ اب مزید اُسے اپنے ساتھ رکھنا نہ
چاہتا ہو۔

"میں تو چار بڑوں کی وجہ سے تمہارے
ساتھ ہوں۔ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ اب
تمہیں میری ضرورت نہیں ہے تو میں
جاتا ہوں" مسلم اصفہانی نے سپاٹ لہجے
جواب دیتے ہوئے کہا۔

"مجھے بھلا تمہاری کیا ضرورت ہو سکتی
ہے۔ میری طرف سے تم فارغ ہو" خسرو
نے منہ بناتے ہوئے جواب دیا۔

"او۔کے! پھر مجھے اجازت دو" مسلم اصفہانی
نے کہا اور تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا ایک
طرف بڑھتا چلا گیا۔

خسرو خاموش کھڑا اُسے جاتے دیکھتا رہا۔
اور پھر اس نے دیکھا کہ چند قدم بعد ہی
مسلم اصفہانی کو ایک خالی ٹیکسی مل گئی
اور وہ اس میں سوار ہو کر چلا گیا۔

"ہونہہ! بڑا آیا مجھ پر طنز کرنے والا۔
خود تو کچھ نہ کر سکا اور اب مجھ پر
طنز کر رہا ہے۔ کیا ہوا اگر میرا پہلا
حملہ ناکام رہا تو میرے پاس اور بہت
حربے ہیں" خسرو نے بڑبڑاتے ہوئے اپنے
آپ سے کہا۔

اور پھر چند لمحوں بعد سیاہ رنگ کی
ایک کار کیفے کے سامنے آکر رکی۔ اور
خسرو تیزی سے کار کی طرف بڑھتا چلا گیا۔
کار رکتے ہی ڈرائیور نیچے اترا اور اس
نے پھرتی سے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول
دیا۔ خسرو پچھلی نشست پر بیٹھ گیا۔

"ہیڈ کوارٹر چلو۔" خسرو نے سخت لہجے میں ڈرائیور سے مخاطب ہو کر کہا اور ڈرائیور نے سر ہلاتے ہوئے کار آگے بڑھا دی۔

خسرو کار کی پچھلی نشست پر بیٹھا رضا کاشانی اور فیصل شہزاد کے متعلق سوچ رہا تھا کہ اب کونسا ایسا حربہ استعمال کرے جس سے ان سب کی موت یقینی ہو جائے ویسے اُسے اب تک حیرت تھی کہ اتنے خطرناک حملے سے یہ لوگ کیسے بچ نکلے ہیں؟

یہی سوچتا ہوا وہ تھوڑی دیر بعد ہی ہیڈ کوارٹر پہنچ گیا۔

ہیڈ کوارٹر پہنچتے ہی وہ تیزی سے اپنے مخصوص کمرے کی طرف گیا۔ اس کمرے میں ایک بڑی سی میز کے پیچھے ایک کرسی موجود تھی۔ اور کمرے کی سامنے والی دیوار پر مختلف سائزوں کی کئی سکرینیں نصب تھیں اور میز کے ایک کونے میں مختلف رنگوں

کے کئی بٹن نصب تھے۔ خسرو نے کرسی پر بیٹھتے ہی ایک بٹن دبایا تو دیوار کے درمیان میں نصب ایک سکرین روشن ہو گئی۔ چند لمحوں بعد سکرین پر ایک نوجوان کا چہرہ ابھر آیا۔

"زاہدی! گلستان کالونی میں اپنے آدمی پھیلا دو جہاں مشینوں والی سٹیشن ویگن گلستان کالونی کی کسی عمارت میں موجود ہو گی۔ اسے تلاش کراؤ اور جس عمارت میں بھی وہ نظر آئے مجھے فوراً رپورٹ دو۔" خسرو نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"یس باس۔" زاہدی نے جواب دیا۔

"جس قدر جلد ممکن ہو سکے یہ کام ہو جانا چاہئے۔ میں دیر برداشت نہیں کر سکتا۔" خسرو نے کرخت لہجے میں کہا۔

"بہتر باس! میں کوشش کروں گا کہ جلد از جلد آپ کو رپورٹ دے سکوں۔" زاہدی نے مؤدبانہ لہجے میں جواب دیا۔ اور خسرو نے بٹن دبا کر سکرین آف کر دی۔

اس کے بعد اس نے میز کی دراز کھولی اور اس میں سے ایک ٹرانسمیٹر نکال کر میز پر رکھا اور اس پر مخصوص فریکوئنسی سیٹ کرنے لگا۔

"ہیلو خسرو سپیکنگ اوور۔" بٹن دبا کر اس نے بار بار یہی فقرہ دہرانا شروع کر دیا۔

"یس نمبر وَن چیف سپیکنگ اوور۔" چند لمحوں بعد ہی دوسری طرف سے پہلے بڑے کی بھاری آواز سنائی دی۔

"چیف باس! میں نے گلستان چوک کے قریب رضا کاشانی اور ان پاکستانی جاسوسوں پر حملہ کیا تھا۔ اور میرا حملہ کامیاب ہو ہی گیا تھا کہ مسلم اصفہانی نے سارا کھیل بگاڑ دیا۔ اس نے انہیں ہوشیار کر دیا اور وہ لوگ میرے تین آدمیوں کو ہلاک کر کے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے اوور۔" خسرو نے سارا الزام جان بوجھ کر مسلم اصفہانی پر لگاتے ہوئے کہا۔

"مسلم اصفہانی نے کھیل بگاڑ دیا؟ یہ

کیسے ہو سکتا ہے؟ مسلم اصفہانی کو ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی اوور۔؟" چیف باس نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

"یہی بات تو میری سمجھ میں نہیں آئی۔ میرا خیال ہے اس نے جان بوجھ کر ایسا کیا ہے۔ کیونکہ وہ نہیں چاہتا کہ میں اس کے مقابلے میں کامیاب رہوں اوور۔" خسرو نے کہا۔

"ہاں! شاید یہ بات ہو۔ مسلم اصفہانی اب کہاں ہے اوور؟" چیف باس نے پوچھا۔

"معلوم نہیں جناب! وہ ٹیکسی میں سوار ہو کر چلا گیا ہے اوور۔" خسرو نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

"او۔ کے! میں اس سے بات کرتا ہوں اور اگر اس نے واقعی ایسا کیا ہے تو اسے عبرتناک سزا دی جائے گی اوور۔" چیف باس نے جواب دیا۔

"میں نے سوچا باس کہ میں آپ کو

اطلاع کر دوں۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ انتقامی جذبے کے تحت آپ کو میرے متعلق بھڑکانے کی کوشش کرے اوور"۔ خسرو نے کہا۔

"ہم بیوقوف نہیں ہیں کہ کوئی ہمیں بھڑکا سکے۔ تم اپنا کام کرتے جاؤ۔ باقی ہم سنبھال لیں گے اوور"۔ چیف باس نے کرخت لہجے میں کہا۔

"ٹھیک ہے باس! میں جلد ہی آپ کو خوشخبری سناؤں گا۔ اوور"۔ خسرو نے مؤدبانہ لہجے میں جواب دیا۔

"ہم تمہاری طرف سے خوشخبری کے ہر لمحے منتظر ہیں۔ اوور"۔ چیف باس نے جواب دیا۔

"آپ بے فکر رہیں باس! آپ کے حکم کی تعمیل ہوگی۔ اوور"۔ خسرو نے کہا۔

"اوور اینڈ آل"۔ چیف باس نے کہا اور خسرو نے بٹن دبا کر رابطہ ختم کر دیا۔ اب اس کے چہرے پر اطمینان کی جھلکیاں تھیں۔ اس نے جان بوجھ کر مسلم اصفہانی کے خلاف بات کی تھی تاکہ اگر مسلم اصفہانی اس حملے کی ناکامی کے بارے میں کچھ کہے تو چار بڑے اسے انتقامی جذبہ سمجھ کر اس کی بات کی پرواہ نہ کریں۔ اس نے ٹرانسمیٹر واپس میز کی دراز میں رکھا ہی تھا کہ اچانک کمرے میں تیز سیٹی کی آواز گونج اٹھی اور خسرو نے چونک کر میز کے کنارے پر لگا ہوا ایک بٹن دبا دیا۔ بٹن دبتے ہی پہلے والی سکرین دوبارہ روشن ہوگئی اور سکرین پر زاہدی کا چہرہ ابھر آیا۔

"یس زاہدی کیا رپورٹ ہے"؟ خسرو نے تحکمانہ لہجے میں پوچھا۔

"باس! سٹیشن ویگن کا پتہ چل گیا ہے۔ وہ گلستان کالونی کی کوٹھی نمبر دو سو بارہ کے پورچ میں کھڑی ہے اور باس! ہمارے آدمی نے رپورٹ دی ہے کہ جب وہ اس کوٹھی پر پہنچا تو اس نے ایک

لڑکے کو بڑی خاموشی سے اس کوٹھی سے نکلتے دیکھا۔ وہ پیدل ہی چلا جا رہا تھا اور بار بار مڑ کر پیچھے دیکھ رہا تھا جیسے اسے پیچھے خطرہ محسوس ہو رہا ہو۔" زاہدی نے تفصیل بتائی۔

"اوہ! اس لڑکے کا تعاقب کیا گیا؟" خسرو نے چونک کر پوچھا۔ کیونکہ لڑکے کا سن کر ہی وہ سمجھ گیا تھا کہ وہ لڑکا پاکیشیائی جاسوس ہو گا۔

"ایک آدمی اس کا تعاقب کر رہا ہے باس! لیکن چونکہ آپ کی طرف سے مزید کوئی حکم نہ تھا اس لئے اس کی صرف نگرانی ہی کی جا رہی ہے۔" زاہدی نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ اس کا تعاقب کیا جائے اور اپنے آدمی سے کہہ دو کہ جیسے ہی اسے موقع ملے اس لڑکے کو اغوا کر کے یہاں ہیڈ کوارٹر میں لے آئے۔" خسرو نے اسے ہدایات دیتے ہوئے کہا۔

"[illegible] باس! میں اپنے آدمی کو ہدایت [illegible] دیتا ہوں۔" زاہدی نے جواب دیا۔

"سنو! فوراً دس مسلح آدمی تیار کرو۔ میں اس عمارت پر فوری حملہ کرنا چاہتا ہوں۔ دسوں آدمی حملے کے لئے پوری طرح مسلح ہوں۔ میں اب ان لوگوں کو مزید وقت نہیں دینا چاہتا۔" خسرو نے کہا۔

"ٹھیک ہے باس! چند لمحوں میں ہی دس آدمی پورچ میں پہنچ جائیں گے۔" زاہدی نے جواب دیا۔

"اوکے۔" خسرو نے کہا اور بٹن دبا کر سکرین آف کر دی۔ پھر اٹھ کر وہ تیزی سے کمرے سے ملحقہ باتھ روم میں گھستا چلا گیا۔

تقریباً دس منٹ بعد جب وہ باہر نکلا تو اس نے سیاہ رنگ کا چست لباس پہن رکھا تھا۔ جیبوں میں اسلحہ

موجود تھا جس سے وہ بوقت ضرورت ہر قسم کی رکاوٹ دور کر سکتا تھا۔

اور پھر وہ تیز تیز قدم اٹھاتا کمرے سے باہر نکلا اور پورچ کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

پورچ میں ایک سٹیشن ویگن اور ایک کار پہلے سے موجود تھی اور دس مسلح افراد سٹیشن ویگن کے قریب کھڑے تھے

"سٹیشن ویگن میں سوار ہو جاؤ اور میرے پیچھے آؤ۔" خسرو نے کار کا دروازہ کھولتے ہوئے ان دسوں افراد سے تحکمانہ انداز میں کہا۔

اور وہ سب سر ہلاتے ہوئے اچھل کر سٹیشن ویگن میں سوار ہو گئے۔

خسرو نے کار کی ڈرائیونگ سنبھالی اور چند لمحوں بعد وہ کار کو عمارت سے باہر سڑک پر لے آیا۔ سٹیشن ویگن اس کے پیچھے تھی۔ اور اس نے کار کا

رخ گلستان کالونی کی طرف موڑ دیا۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ آج چاہے اسے دن دہاڑے پوری عمارت ہی کیوں نہ بموں سے اڑانی پڑے آج وہ ان لوگوں کو مار کر ہی واپس مڑے گا۔

شہزاد جب فیصل کو ہوش میں لا[یا]
واپس کھانے کی میز پر پہنچا تو دیکھا
رضا کاشانی اور شہریار سمیت ڈیکورہ [بھی]
موجود تھا۔ شہریار کے سر پر پٹی بندھی
ہوئی تھی۔
"فیصل ہوش میں آگیا ہے؟" رضا کاشانی
نے پوچھا۔
"جی ہاں! بالکل ہوش میں آگیا ہے
لیکن اس پر مایوسی کا دورہ پڑا ہوا ہے
اس لئے میں اسے تنہا چھوڑ کر آگیا
ہوں تاکہ اچھی طرح رو دھو کر اپنی طبیعت
سنبھال لے۔" شہزاد نے کرسی پر بیٹھتے
ہوئے جواب دیا۔
"اس نے کھانا نہیں کھایا؟" رضا کاشانی
نے پوچھا۔
"نہیں! اس نے کھانا کھانے سے انکار
کر دیا ہے۔ اور اچھا ہی ہوا ہے۔ اب
اس کے حصے کا کھانا بھی مجھے مل
جائے گا۔ آخر وہ میرا ہی ساتھی ہے۔"
شہزاد نے میز پر رکھا سالن کا ڈونگا
اپنی طرف کھسکاتے ہوئے کہا اور رضا کاشانی
اور شہریار اس کے اس انداز پر مسکرا
کر خاموش ہو گئے۔
اور پھر رضا کاشانی، شہریار اور ڈیکورہ
تو کھانے کے دوران باتوں میں شامل ہی
رہے۔ البتہ شہزاد ان سب سے بیگانہ ہو
کر بس کھانے میں ہی مست رہا اور اس
کے ہاتھ انتہائی تیزی سے چل رہے تھے
اور میز پر پھیلے ہوئے سالن کے ڈونگے
اور نان تیزی سے صاف ہوتے چلے جا۔

رہے تھے۔

رضا کاشانی اور شہریار کی نظروں میں تعجب کے آثار نمایاں تھے۔ وہ تصور بھی نہ کر سکتے تھے کہ کوئی شخص دس آدمیوں کا کھانا اکیلے ہی کھا سکتا ہے۔ البتہ ڈریکولا کے چہرے پر لاپرواہی تھی کیونکہ وہ شہزاد کی عادت جانتا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ جتنا کھانا میز پر موجود تھا اس سے دس گنا مزید کھانا بھی شہزاد کھا سکتا ہے۔

"اور کھانا منگواؤں؟" رضا کاشانی نے جب تمام کھانا ختم ہوگیا تو رسماً شہزاد سے پوچھا۔

"اگر پکا ہوا ہے تو ضرور منگوا لیجئے ورنہ ٹھیک ہے۔ چلو نہ ہونے سے کچھ بہتر ہی ہوگیا ہے۔" شہزاد نے ڈکار لیتے ہوئے جواب دیا۔

"پکا ہوا تو نہیں ہے۔ اگر آپ کہیں تو مزید کھانا پکوانے کا آرڈر دے دیتا ہوں۔

ایک گھنٹہ لگ جائے گا۔" رضا کاشانی نے شرمندہ سے لہجے میں جواب دیا۔ اس نے تو یونہی رسماً پوچھ لیا تھا۔ اس کے تصور میں بھی نہ تھا کہ شہزاد واقعی اور کھانا مانگ لے گا۔

"پھر چھوڑو، کچھ آسرا ہو ہی گیا ہے دوپہر کو کھانا کھالیں گے۔" شہزاد نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ویسے اس کے چہرے سے معلوم ہو رہا تھا کہ واقعی اس کا پیٹ نہیں بھرا۔ اور پھر وہ ہاتھ دھونے کے لئے باتھ روم میں گھستا چلا گیا۔

"یہ شہزاد صاحب کتنا کھانا کھاتے ہیں جو ان کا پیٹ بھر جاتا ہے؟" رضا کاشانی نے شہزاد کے جانے کے بعد ڈریکولا سے مخاطب ہوکر پوچھا۔ وہ شاید یہ جاننا چاہتا تھا کہ شہزاد کتنی مقدار میں کھانا کھائے تو اس کا پیٹ بھرتا ہے تاکہ دوپہر کو وہ اتنا کھانا پکوائے تاکہ اسے شرمندگی نہ اٹھانی پڑے۔

"آقا کو پورا سال آپ کھلاتے
رہیں تب بھی ان کا پیٹ نہیں بھرے
گا" ڈریکولا نے بڑے سنجیدہ لہجے میں
جواب دیا۔

اور رضا کاشانی اور شہریار ایک
دوسرے کو معنی خیز انداز میں دیکھ کر مسکرا
کر خاموش ہو گئے۔

اتنے میں ایک ملازم نے چائے کے
برتن لاکر میز پر رکھ دیئے۔

"مسٹر ڈریکولا! جاکر فیصل صاحب کو بلا
لایئے۔ اگر وہ کھانا نہیں کھاتے تو کم از کم
چائے تو پی لیں" رضا کاشانی نے ڈریکولا
سے مخاطب ہو کر کہا۔

"جی اچھا" ڈریکولا نے جواب دیا اور
پھر وہ اٹھ کر تیزی سے فیصل کے
کمرے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

"اب کیا پروگرام ہے باس" شہریار نے
ڈریکولا کے جانے کے بعد رضا کاشانی سے
پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ ہم پر حملہ
گلستان بار کے مشہور غنڈے خسرو نے
کیا تھا۔ کیونکہ میں نے اس کی آواز
پہچان لی ہے۔ اب میرا پروگرام یہ ہے
کہ کھانے سے فارغ ہو کر میک اپ
میں گلستان بار جاؤں اور وہاں خسرو کو
ٹٹولوں۔ اگر واقعی وہ اس حملے میں ملوث
ثابت ہوا تو پھر میں اُسے اغوا کر کے
یہاں لے آؤں گا اور اس پر تشدد کر
کے ہم ان چار بڑوں کا پتہ چلالیں گے
اور پھر ان چار بڑوں کے خاتمے کے لئے
کوئی جامع منصوبہ تیار کریں گے تاکہ ہمیشہ
کے لئے اس تنظیم کا خاتمہ ہو سکے" رضا
کاشانی نے اپنا پروگرام بتاتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے میں بھی آپ کے ساتھ
جاؤں گا" شہریار نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

اتنی دیر میں شہزاد بھی واپس آگیا۔ ملازم
نے چائے بنا کر رضا کاشانی، شہزاد اور شہریار
کے سامنے پیالیاں رکھ دیں۔

"فیصل صاحب تو کمرے میں نہیں ہیں" ڈریکولا نے اندر آ کر بولتے ہوئے کہا۔

"باتھ روم میں گھسا ہوا ہوگا" شہر... نے چائے کی چسکی لیتے ہوئے جواب...

"باتھ روم میں بھی نہیں ہیں۔ بلکہ ... نے ساری عمارت دیکھ لی ہے، کہیں نہیں ہیں" ڈریکولا نے مزید انکشاف کر... ہوئے کہا۔

"یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ عمارت سے کہاں جا سکتا ہے" شہزاد کے لہجے میں پہلی بار تشویش کے آثار نمایاں ہوئے۔

"شہریار! تم خود معلوم کرو" رضا کاشانی نے بھی تشویش زدہ لہجے میں شہریار سے مخاطب ہو کر کہا۔

"آپ چائے پیجئے۔ میں ابھی پتہ کرتا ہوں" شہریار نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا اور پھر وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا کمرے سے باہر نکلتا چلا گیا۔ اور رضا کاشانی، شہزاد...

اور ڈریکولا چائے پینے میں مصروف ہوگئے۔ پھر تقریباً دس منٹ بعد شہریار واپس کمرے میں آیا۔ اس کے چہرے پر پریشانی کے آثار نمایاں تھے۔

"واقعی فیصل صاحب غائب ہیں" شہریار نے ان سے مخاطب ہو کر کہا۔

"وہ کہاں جا سکتا ہے؟ اس کا تو باہر کوئی واقف بھی نہیں ہے" شہزاد نے پریشان لہجے میں کہا۔

"آپ فکر نہ کریں شہزاد صاحب! میں نے اپنے آدمی ان کی تلاش کے لیے بھجوا دیئے ہیں۔ جلد ہی ان کا پتہ چل جائے گا۔ وہ یہاں سے نکل کر کتنی دور جا سکتے ہیں" شہریار نے شہزاد کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"اچھا شہزاد صاحب! اب آپ آرام کریں میں اور شہریار ایک آدمی کو ڈھونڈنے جا رہے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ ہم پر حملہ اسی آدمی نے کرایا ہے۔ اگر وہ واقعی

اس حملے میں ملوث ہوا تو میں اُسے اٹھاکر یہاں لے آؤں گا اور پھر اس سے چار بڑوں کا پتہ چلاکر تنظیم کے خاتمہ کے لئے کوئی جامع منصوبہ بنائیں گے۔ رضا کاشانی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"لیکن فیصل کا پتہ پہلے چلنا چاہیئے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ کسی مصیبت میں پھنس جائے"۔ شہزاد کو فیصل کی فکر لگی تھی کہ آخر وہ کہاں چلاگیا۔

"آپ بےفکر رہیں۔ میرے کئی آدمی ان کے پیچھے گئے ہیں۔ جلد ہی ان کا پتہ چل جائے گا اور وہ آپ کو اطلاع کر دیں گے"۔ شہریار نے ایک بار پھر اُسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے آپ جائیں۔ میں یہاں فیصل کا انتظار کروں گا"۔ شہزاد نے جواب دیا اور پھر رضا کاشانی اور شہریار سر ہلاتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئے۔

شہزاد، ڈریکولا کو ساتھ لئے باہر برآمدے

میں آگیا۔ اس کے دل میں فیصل کے متعلق بےچینی موجود تھی۔ اُسے معلوم تھا کہ فیصل لڑنے بھڑنے والا نہیں ہے۔ اگر وہ کہیں پھنس گیا تو بےموت مارا جائے گا۔ لیکن اب سوائے انتظار کے اور کچھ ہو بھی نہیں سکتا تھا۔

اتنے میں رضا کاشانی اور شہریار میک اَپ میں کمرے سے نکل کر برآمدے میں آئے اور پھر مجرموں کی سٹیشن ویگن میں بیٹھ کر عمارت سے باہر نکلتے چلے گئے۔

شہزاد نے ان کے جانے کے بعد ملازم کو بلوایا۔

"یہ بتاؤ کہ یہاں اور کتنے آدمی موجود ہیں"؟ شہزاد نے ملازم سے پوچھا۔

"جناب! یہاں تو میں اکیلا رہتا ہوں اور تو کوئی آدمی نہیں ہے"۔ ملازم نے مؤدبانہ لہجے میں جواب دیا۔

"اوہ! پھر تو شہریار نے فون کر کے اپنے آدمیوں کو فیصل کی تلاش پر مامور

کیا ہوگا۔" شہزاد نے بڑبڑاتے ہوئے جواب دیا۔

"اگر آپ حکم کریں آقا تو میں خود فیصل آقا کی تلاش میں جاؤں؟" ڈریکولا نے شہزاد کی پریشانی دیکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں! دس پندرہ منٹ انتظار کر لیتے ہیں۔ شاید اس کے متعلق کوئی اطلاع مل جائے۔ اس کے بعد ہم دونوں اکٹھے باہر جاکر اسے تلاش کریں گے۔" شہزاد نے جواب دیا۔ اور پھر اس نے ملازم کو ہدایت کی کہ اگر فیصل کے متعلق کوئی فون آئے تو اُسے فوراً اطلاع دی جائے۔ اور اس کے بعد وہ ڈریکولا سمیت واپس اپنے کمرے میں آگیا۔

شہزاد کو کمرے میں بیٹھے دس منٹ ہی گزرے ہوں گے کہ اچانک اُسے عمارت کے دُور کے حصے میں کسی کی چیخ سنائی دی۔ یوں لگتا تھا کہ جیسے کسی آدمی کو کوئی چیز ماری گئی ہو اور وہ چیخا ہو۔

"یہ کس کی چیخ تھی ذرا معلوم کرو۔" شہزاد نے ڈریکولا سے مخاطب ہوکر کہا۔

"جی آقا۔" ڈریکولا نے مؤدبانہ لہجے میں جواب دیا اور پھر تیزی سے دروازے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

لیکن اس سے پہلے کہ ڈریکولا دروازے تک پہنچتا، دروازہ ایک دھماکے سے کھلا اور پھر خسرو ہاتھ میں مشین گن پکڑے دو آدمیوں سمیت اچھل کر اندر داخل ہوا۔ اس کے دونوں ساتھی بھی مشین گنوں سے مسلح تھے۔

"خبردار! اگر کوئی حرکت کی تو گولیوں سے بھون ڈالوں گا۔" خسرو نے چیختے ہوئے کہا اور پھر تینوں مشین گنوں کا رُخ شہزاد اور ڈریکولا کی طرف ہوگیا۔

"تم کون ہو؟ اور اس طرح یہاں کیوں آئے ہو؟" شہزاد نے حیران ہوکر خسرو کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"تم میرے پہلے حملے سے تو بچ نکلے

ہو۔ لیکن اب تمہارا مقبرہ یہی عمارت بنے گی۔" خسرو نے منہ ٹیڑھا کرتے ہوئے جواب دیا۔

"اوہ! تو تم نے ہماری کار پر حملہ کیا تھا۔ لیکن تمہارا ہمارا تعلق کیا ہے؟" شہزاد نے مزید حیران ہوتے ہوئے پوچھا۔ اس نے دراصل پہلی بار خسرو کو دیکھا تھا اس لئے وہ اس کی حیثیت کا تعین نہ کرسکا تھا۔

"میرا تعلق کالا گلاب سے ہے اور چار بڑوں نے اب یہ مہم میرے ذمہ لگائی ہے۔ اب سمجھے ہو؟" خسرو نے جواب دیا۔

"اوہ! تو تم کالا گلاب کے آدمی ہو۔ وہ مسلم اصفہانی کہاں گیا؟" شہزاد نے مطمئن لہجے میں پوچھا۔

"مسلم اصفہانی تمہارے مقابلے میں ناکام ہو گیا تھا۔ اس لئے اب اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اب میں انچارج ہوں میرا نام خسرو ہے" خسرو نے بڑے

...انداز لہجے میں جواب دیتے ہوئے کہا۔

"خسرو! بڑا اچھا نام ہے۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ خسرے بھی کالا گلاب کے ممبر ہیں۔" شہزاد نے بڑے طنزیہ انداز میں کہا۔

"شٹ اپ! اس قسم کی بکواس کرکے اپنی بقایا زندگی کے سانس کم مت کرو۔" خسرو نے غصے سے چیختے ہوئے کہا۔

"باس! اس ملازم کے علاوہ عمارت میں اور کوئی آدمی موجود نہیں ہے۔" اسی لمحے ایک اور مشین گن بردار نے کمرے میں داخل ہو کر خسرو سے مخاطب ہو کر کہا۔

"ٹھیک ہے۔ انہیں باندھ کر لے چلو۔ رضا کاشانی اور شہریار بھی قابو آجائیں گے اور وہ لڑکا بھی جو یہاں سے نکلا تھا۔ پھر ان سب کو اکٹھے ہی چار بڑوں کے سامنے پیش کروں گا تاکہ وہ اپنے ہاتھوں سے ان سب کی گردنیں اتاریں۔" خسرو نے اپنے آدمیوں سے مخاطب ہو کر

کہا۔

اور پھر تینوں مشین گن بردار بڑے منظم انداز میں ڈیکولا اور شہزلو کے گرد پھیلتے چلے گئے۔

شہزلو نے جان بوجھ کر کوئی حرکت وغیرہ نہ کی کیونکہ وہ خسرو کی زبان سے فیصل کے متعلق بات سن چکا تھا اور اس نے فوراً ہی اس بات کا فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ خسرو کے مقابلے میں فی الحال کوئی حرکت نہ کرے گا۔

خسرو کی بات سے ظاہر ہوتا تھا کہ اسے فیصل کے متعلق معلومات حاصل ہیں اور ہو سکتا ہے کہ فیصل ان کے ہاتھوں گرفتار ہو چکا ہو۔ اگر شہزاد ذری طور پر ان لوگوں سے جھگڑا پڑتا تو پھر فیصل کو تلاش کرنا ناممکن ہو جاتا۔ بلکہ ہو سکتا تھا کہ وہ انتقاماً فیصل کو نقصان نہ پہنچا دے۔ چنانچہ اس نے کوئی مخالفانہ حرکت نہ کی اور مشین گن بردار

ان دونوں کے ہاتھ انکی پشت پر باندھ دیئے۔

ڈیکولا نے بھی خاموشی سے ہاتھ بندھوا لیے ظاہر ہے جب شہزلو نے کوئی حرکت نہ کی تھی تو اس کی کیا جرأت تھی کہ وہ ہاتھ پیر ہلاتا۔

ان دونوں کو باندھ کر وہ دھکیلتے ہوئے باہر پورچ میں لے آئے اور پھر ان دونوں کو سٹیشن ویگن میں سوار کر دیا اور سٹیشن ویگن انہیں لئے ہوئے عمارت سے باہر نکلتی چلی گئی۔

مسلم اصفہانی فیصل کی آنکھوں میں سلگنے والی چنگاریوں سے خوفزدہ ہو کر اس وقت تو کار میں بھاگ نکلا۔ لیکن عمارت سے کافی دور آنے کے بعد اچانک اس نے کار ایک طرف روک دی اور وہ دل ہی دل میں اپنے آپ پر ملامت کرنے لگا کہ وہ ایک بچے سے خوفزدہ ہو کر بھاگ نکلا ہے جب کہ اس کے ساتھ افراد بھی موجود تھے اور وہ لڑکا اکیلا تھا۔ یہ خیال آتے ہی اس نے تیزی سے کار کا رخ واپس عمارت کی طرف موڑ

دیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ہر قیمت پر اس لڑکے کو زندہ یا مردہ پکڑے اور پھر اسے چار بڑوں کے سامنے پیش کر دے۔ تاکہ اس کی گزشتہ ناکامیوں کی کچھ تو تلافی ہو سکے۔ اور قسمت نے اسے یہ موقع دیا تھا کہ وہ لڑکا اچانک اس کے ہاتھ آ گیا تھا۔ اور اب صرف اپنی بزدلی کی بنا پر وہ بھاگ نکلا تھا۔

کار کا رخ موڑ کر جب وہ واپس اس عمارت کے قریب پہنچا تو یہ دیکھ کر وہ ٹھٹھک گیا کہ عمارت کے گرد پولیس نے گھیرا ڈال رکھا تھا۔ مسلم اصفہانی کار کو آگے لیتا چلا گیا۔ پولیس کو دیکھ کر اس کے ذہن میں آندھیاں سی چلنے لگیں۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر فیصل اور اس کے آدمی پولیس کے ہتھے چڑھ گئے تو پھر پولیس ان سے کالا گلاب کے بارے میں معلومات حاصل کرے گی اور

یہ بات چار بڑوں نے قطعاً پسند
نہیں کرنی۔ اس لئے وہ سوچ رہا تھا
کہ اب کیا کرے۔
اس نے کار ایک طرف روک دی اور
انتظار کرنے لگا۔ عمارت کا پھاٹک
صاف نظر آ رہا تھا اور پھر تھوڑی
دیر بعد اس نے ایک پولیس کار کو
باہر نکلتے دیکھا۔ اس کار کی پچھلی نشست
پر اس نے دو سپاہیوں کے درمیان فیصل
کو بیٹھا دیکھ لیا۔ کار تیزی سے مڑ کر
شہر کی طرف دوڑتی چلی گئی۔
مسلم اصفہانی نے اپنی کار موڑی اور
پھر پولیس کار کا تعاقب شروع کر دیا۔
اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ ہر
قیمت پر فیصل کو پولیس کے ہاتھوں سے
نکال کر لے جائے گا۔ چنانچہ وہ اپنی
کار کو پولیس کار کے پیچھے دوڑاتا چلا گیا
اور پھر جیسے ہی پولیس کار ایک ویران
سڑک پر پہنچی۔ مسلم اصفہانی نے کار کے

ڈیش بورڈ کا بٹن دبا کر کھولا اور
اس میں سے ایک چھوٹا سا پستول
پھر باہر نکال لیا۔ اس آلے میں ٹریگر
تھا آکر
کی جگہ ایک بٹن لگا ہوا تھا اور یہ
پوائنٹ پستول کہلاتا تھا اور بطور سیکرٹ
سروس چیف یہ پستول اس نے ایک
شیپر پاور سے بطور تحفہ وصول کیا تھا۔
اس نے پستول کی نال کو کھڑکی سے
باہر نکالا اور اس کا رخ پولیس کار کی
طرف کر کے اس کا بٹن دبا دیا۔ بٹن
دبتے ہی پستول کی نال پر ایک شعلہ سا
چمکا اور دوسرے لمحے سامنے جاتی ہوئی پولیس
کار سڑک پر لڑکھڑانی شروع ہو گئی اور پھر
وہ سائیڈ میں ایک جھٹکا کھا کر رک گئی۔
اس پستول سے نکلنے والی مخصوص شعاع
کی یہ خوبی تھی کہ وہ جس مشینری پر
پڑ جاتی۔ اس کے انجن کو فوراً جام کر
دیتی۔ یہی وجہ تھی کہ پولیس کار ایک لمحے
کے لئے لڑکھڑانے کے بعد سائیڈ میں رک

گئی اور مسلم اصفہانی کو علم تھا کہ اب اس کار کا انجن کبھی نہ چل سکے گا۔ اس نے پستول کا فائر کرنے کے ساتھ ہی اپنی کار کی سپیڈ بھی کم کر دی۔ پولیس کار رکتے ہی اس کا ڈرائیور تیزی سے باہر نکلا اور اس نے کار کے انجن کو چیک کرنا شروع کر دیا۔ مسلم اصفہانی نے اپنی کار پولیس کار کے پیچھے روک دی اور پھر وہ کار کا دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔ اس کا ایک ہاتھ کوٹ کی جیب میں تھا۔

"میں کوئی مدد کر سکتا ہوں۔" مسلم اصفہانی نے سٹیرنگ کی دوسری سائیڈ میں پہنچتے ہوئے کہا اور پھر اس سے پہلے کہ اسے کوئی جواب ملتا۔ اس نے بڑی پھرتی سے جیب میں سے ہاتھ نکالا تو اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا بم تھا۔ اس نے پھرتی سے اس کا پن انگوٹھے سے دبایا اور بم کار کے اندر پھینک دیا۔ بم اندر گرتے ہی ہلکے سے دھماکے سے پھٹ گیا اور اس میں سے قرمزی سا دھواں نکل کر تیزی سے کار میں پھیلتا چلا گیا۔ بم اندر پھینکتے ہی مسلم اصفہانی تیزی سے باہر کار کے سامنے کے رخ پر مڑتا گیا جہاں ڈرائیور جھکا ہوا انجن کے ساتھ معائنہ میں مغرق تھا۔ مسلم اصفہانی نے دوسرا ہاتھ جیب میں ڈال کر باہر نکالا تو اس کے ہاتھ میں سائلنسر لگا ریوالور موجود تھا۔ اور پھر اس سے پہلے کہ وہ ڈرائیور چونکتا، گولی اس کی گردن کی پشت میں گھستی چلی گئی اور مسلم اصفہانی تیزی سے واپس مڑا اور پھر اس نے کار کی پچھلی نشست کا دروازہ پھرتی سے کھولا اور اندر بیہوش پڑے ایک سپاہی کو گھسیٹ کر باہر پھینکا اور پھر درمیان میں موجود فیصل کو باہر گھسیٹ لیا۔

فیصل بھی بیہوش ہو چکا تھا۔ مسلم اصفہانی نے بڑی پھرتی سے فیصل کو اٹھا

کر کاندھے پر لادا اور پھر اپنی
کی طرف بھاگا۔
مگر اس سے پہلے کہ وہ اپنی
تک پہنچتا، اچانک ایک کار انتہائی تیز
رفتاری سے دوڑتی ہوئی اس کے قریب
پہنچی۔ اور پھر اس سے پہلے کہ مسلم
اصفہانی سنبھلتا، آنے والی کار میں سے
افراد ہاتھوں میں مشین گنیں اٹھائے باہر
نکلے اور ان میں سے ایک آدمی نے
بڑی پھرتی سے مشین گن کو کسی لاٹھی
کی طرح گھمایا کر مسلم اصفہانی کے
پر مار دیا اور دوسرے آدمی نے مسلم
اصفہانی کے کاندھے پر سوار بیہوش فیصل کو
سنبھال لیا۔

اور پھر مسلم اصفہانی تو مشین گن
کی زوردار ضرب کھا کر وہیں گر پڑا
اور بیہوش ہوگیا۔ البتہ وہ چاروں مسلح
افراد بے ہوش فیصل کو اٹھائے اپنی کار
میں سوار ہوئے اور پھر کار انتہائی تیز

رفتاری سے دوڑتی ہوئی سیدھی آگے بڑھتی
چلی گئی۔ یہ خسرو کے آدمی تھے جو شروع
سے ہی فیصل کے پیچھے لگے ہوئے تھے
اور جنہیں ہیڈ کوارٹر سے یہ ہدایات مل
گئی تھیں کہ انہوں نے ہر قیمت پر
فیصل کو اغوا کرکے ہیڈ کوارٹر لے آنا
ہے۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے مسلم
اصفہانی کی بھی کوئی پرواہ نہ کی تھی حالانکہ
وہ جانتے تھے کہ مسلم اصفہانی ان کی تنظیم
کا رکن ہے۔

رضا کاشانی اور شہریار سٹیشن ویگن میں
سوار کوٹھی سے باہر نکلے اور پھر ان کی
سٹیشن ویگن تیزی سے شہر کی طرف دوڑتی
چلی گئی۔ ان کا پروگرام یہ تھا کہ وہ
سٹیشن ویگن کو شہر میں کہیں چھوڑ کر پیدل
ہی گلستان بلڈ جائیں گے۔ کیونکہ انہیں
معلوم تھا کہ سٹیشن ویگن مجرموں کی ہے
اور کسی بھی وقت پہچانی جاسکتی ہے۔ لیکن
انہیں اس بات کی خبر نہ تھی کہ سٹیشن
ویگن پہلے ہی چیک کر لی گئی ہے اور
نہ ہی انہیں اس بات کی خبر تھی کہ

مغوڈی دلد
کا عمارت سے
ویگن اور اس کے آدمیوں کی
کراس ہوچکا ہے۔ خسرو
سٹیشن ویگن کو دیکھتے ہی پہچان
لیکن اس نے بھری ہوئی سڑک
نہ چھیڑا۔ لیکن اس نے کار میں
بیٹھے ہیڈ کوارٹر کو ٹرانسمیٹر پر اس
اطلاع دے دی تھی کہ سٹیشن
شہر کی طرف جارہی ہے۔ سٹیشن ویگن
میں سوار آدمیوں سمیت ہیڈ کوارٹر
دیا جائے۔ اور خسرو کو یقین تھا کہ
ہی ہوگا کیونکہ اس مخصوص سٹیشن ویگن
میں ایک مخصوص وسکی نظام نصب تھا۔
اس نظام کے تحت جب چاہے ہیڈ کوارٹر
سے ہی سٹیشن ویگن کو کنٹرول کیا جاسکتا
تھا۔
چنانچہ وہی ہوا۔ جیسے ہی شہریار سٹیشن
ویگن کو لئے شہر کے قریب پہنچا۔ اچانک
اسے محسوس ہوا کہ سٹیشن ویگن کا کنٹرول

اس کے ہاتھ سے نکل چکا
سٹیشن ویگن اپنی مرضی سے گھوم کر
اور سڑک پر دوڑتی چلی جا رہی تھی۔
"رضا صاحب! سٹیشن ویگن میرے کنٹرول
میں نہیں رہی۔ اسے کہیں اور سے
کیا جا رہا ہے۔" شہریار نے پریشان
ہوتے ہوئے کہا۔ اور ساتھ بیٹھا رضا کاشانی
کی بات سن کر چونک پڑا۔
"اوہ! اس میں ریڈیو کنٹرول سسٹم ہو گا۔"
رضا کاشانی نے تیز لہجے میں کہا اور
اس کا ہاتھ تیزی سے دروازہ کھولنے والے
ہینڈل پر پڑا لیکن یہ دیکھ کر اس
نے ایک طویل سانس لی کیونکہ سٹیشن ویگن
کے دروازے جام ہو چکے تھے۔
اب وہ دونوں بے بس ہو چکے تھے۔
سٹیشن ویگن تیزی سے سڑک پر دوڑتی
جا رہی تھی اور باقاعدہ وہ جب
پہنچ بھاگتی جا رہی تھی اور
خاموشی سے بیٹھے صرف دونوں

مختلف سڑکوں سے گزرنے کے
بعد سٹیشن ویگن ایک مضافاتی کالونی میں
داخل ہوئی اور پھر اس کالونی کی ایک بڑی
عمارت کے پھاٹک میں گھستی چلی گئی
جیسے ہی سٹیشن ویگن پورچ میں رکی
اس کے دروازے خود بخود کھلتے چلے گئے
اور سٹیشن ویگن کو دس مسلح افراد
نے گھیر لیا تھا جو مشین گنوں اور ریوالوروں
سے مسلح تھے۔ ان مسلح افراد نے ان
دونوں کو جبراً باہر گھسیٹ لیا اور پھر چند
ہی لمحوں میں ان دونوں کے ہاتھ پشت
پر ہتھکڑیوں میں جکڑے جا چکے تھے۔
پھر انہیں دھکیل کر ایک چھوٹے کمرے
میں پہنچا دیا گیا۔
کمرہ ہر قسم کے ساز و سامان سے
خالی تھا۔ اس کی چھت ... میں
نہ ہی کوئی روشندان تھا اور نہ ہی کوئی
کھڑکی۔ ان دونوں کو دھکیل کر کمرے کے

اکلوتا دروازہ باہر سے بند کر دیا گیا

اور پھر سرر کی آواز سے دروازے کے

سامنے بھی ایک دیوار پھیلتی چلی گئی۔ اب

وہ بغیر دروازے کے کمرے میں بے بسی

کے عالم میں قید ہوگئے تھے۔

"یہ تو بہت برا ہوا۔ ہمیں تو چوہوں

کی طرح قید کرلیا گیا ہے۔" رضا کاشانی

نے پھیکی ہنسی ہنستے ہوئے کہا۔

"ہاں! واقعی اس بات کا تو ہمارے

ذہنوں میں تصور تک نہ تھا کہ یہ

سٹیشن ویگن ریڈیو کنٹرول ہوسکتی ہے۔" شہریار

نے جواب دیا۔

چند لمحوں بعد سرر کی تیز آواز سے

دروازے کے سامنے والی دیوار سمٹ گئی

اور دروازہ ایک جھٹکے سے کھلا اور پھر

کسی نے بیہوشش فیصل کو کسی بوری

کی طرح اندر پھینک دیا۔ اور دروازہ بند

ہوتے ہی دیوار ایک بار پھر برابر ہوگئی۔

"اوہ! یہ تو فیصل ہے۔ یہ ان کے

تے کیسے چڑھ گیا"؟ شہریار نے کہا۔

لیکن پیچھے بندھے ہوئے ہاتھوں کی وجہ

سے وہ سوائے فیصل کو دیکھنے کے

اور اس کی کوئی مدد نہ کرسکتے تھے۔

"جس طرح ہم چڑھ گئے ہیں۔" رضا کاشانی

نے مسکراتے ہوئے جواب دیا اور شہریار

بے اختیار ہنس پڑا۔

فیصل کو وہاں پہنچے ابھی دس منٹ

ہی گزرے ہوں گے کہ دیوار ایک بار

پھر سمٹی اور پھر دروازہ کھلتے ہی دو

افراد کو اندر دھکیل دیا گیا۔

"ارے شہزاد اور ڈریکولا۔ لو بھئی گنتی

پوری ہوگئی۔" رضا کاشانی نے آنے والوں

کو دیکھتے ہی پکار کر کہا۔ اور شہزاد اور

ڈریکولا بھی انہیں وہاں دیکھ کر چونک

پڑے۔

"آپ لوگ یہاں"؟ شہزاد نے حیران ہوتے

ہوئے پوچھا۔

"ہاں بھئی! وہ سٹیشن ویگن ہی مجرموں

نے کنٹرول کرلی تھی۔" رضا کاشانی نے
مسکراتے ہوئے جواب دیا۔
"فیصل بھی آگیا ہے۔" شہزاد کی نظر
فرش پر بیہوش پڑے ہوئے فیصل پر پڑی
تو ایک بار پھر وہ چونک پڑا۔
"ہاں! اسی لئے تو کہہ رہا ہوں کہ
گنتی پوری ہوگئی ہے۔" رضا کاشانی نے
مسکراتے ہوئے جواب دیا۔
پھر اس سے پہلے کہ کوئی اس کی
بات کا جواب دیتا۔ اچانک کمرے کی
دیوار سکرین کی طرح روشن ہوگئی۔ ایک
اس پر خسرو کی شکل ابھر آئی۔ اور
اس کے چہرے پر کامیابی کی بے پناہ چمک
موجود تھی۔
"ہیلو دوستو! تم لوگوں نے خسرو کی
کامیابی دیکھی۔ اب تم اپنی موت کے
لئے تیار ہو جاؤ۔" خسرو نے بڑے فاخرانہ
لہجے میں کہا۔ اس کی آواز کمرے میں
گونج اٹھی تھی۔

[illegible] ہماری موت کی حسرت لئے
[illegible] تنظیم کے کتنے افراد اب
[illegible] نیند سو چکے ہیں۔ اس
[illegible] موت ہم اتنی آسانی سے مرنے
[illegible] نہیں۔" شہزاد نے اس کی
[illegible] ہوئے کہا۔
[illegible] جواب دیتے ہوئے
[illegible] تمہارا موت کے منہ
[illegible] ناممکن ہے۔ اب تمہاری موت
میرے ہاتھوں میں ہے۔ میں نے اپنی
تنظیم کے چار بڑوں کو اطلاع کر دی
ہے۔ جب تک وہ یہاں پہنچتے ہیں اس
وقت تک تمہیں زندگی مل گئی ہے۔ اس
کے بعد تمہارا کیا حشر ہوگا یہ تم جلد
ہی دیکھ لوگے۔" خسرو نے طنزیہ انداز
میں ہنستے ہوئے کہا۔
"جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ تم بھی اپنی
حسرت پوری کرلو۔" شہزاد نے مطمئن لہجے
میں جواب دیا۔ لیکن اس کی بات کا جواب
ملنے کی بجائے سکرین تاریک ہوگئی۔ اور

اب وہاں سپاٹ دیوار کے سوا اور کچھ نہ تھا۔

شہزاد کے ہاتھ چونکہ رسی سے بندھے ہوئے تھے اس لئے اس نے دونوں ہاتھ ڈریکولا کے منہ کی طرف بڑھا دیئے اور ڈریکولا نے جھک کر اپنے تیز دانت اس کے ہاتھوں پر بندھی ہوئی رسی پر آزمانے شروع کر دیئے۔

تھوڑی سی کوشش کے بعد ڈریکولا نے چوہے کی طرح اپنے دانتوں سے وہ رسی کتر ڈالی جو شہزاد کے ہاتھوں پر بندھی ہوئی تھی۔

شہزاد نے اپنے ہاتھ آزاد ہوتے ہی چند ہی لمحوں میں ڈریکولا کے ہاتھ بھی رسیوں سے آزاد کر دیئے۔

"ان کی ہتھکڑیاں توڑ ڈالو ڈریکولا۔ ہمیں بے بسی کی موت نہیں مرنا چاہیئے" شہزاد نے ڈریکولا سے مخاطب ہو کر رضا کاشانی اور شہریار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"لیکن ہماری ہتھکڑیاں رسیوں کی نہیں سٹیل کی ہیں" رضا کاشانی نے پھیکی ہنسی ہنستے ہوئے کہا۔

"یہ ڈریکولا ہے رضا صاحب! سٹیل اس کے ہاتھوں میں موم بن جاتا ہے۔" شہزاد نے بڑے سنجیدہ لہجے میں کہا اور پھر وہ فرش پر بیہوش پڑے ہوئے فیصل پر جھک گیا اور اسے ہوش میں لے آنے کی کوشش کرنے لگا۔

ادھر ڈریکولا تیزی سے رضا کاشانی کی پشت کی طرف بڑھا اور پھر اس نے دونوں ہاتھوں سے رضا کاشانی کے ہاتھوں میں پڑی ہوئی ہتھکڑی کے جوڑ کو پکڑا اور دوسرے لمحے اس نے دونوں ہاتھوں کو مخصوص انداز میں مخالف سمتوں میں ایک زور دار جھٹکا دے کر کھینچا اور کڑک کی آواز کے ساتھ ہتھکڑی کا جوڑ ٹوٹتا چلا گیا۔ اور اس کے ساتھ ہی رضا کاشانی کے ہاتھ آزاد ہو گئے۔

حیرت انگیز: رضا کاشانی نے اپنے ہاتھوں اور فرش پر بکھری ہوئی شیشے کی ہتھکڑی کے ٹکڑوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

اور پھر ڈریکولا نے وہی عمل شہریار کی ہتھکڑی پر دوہرایا اور دوسرے لمحے اس کے ہاتھ بھی آزاد ہو گئے۔

شہریار ڈریکولا کو یوں حیرت بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا کہ جیسے وہ انسان کی بجائے کسی مافوق الفطرت چیز کو دیکھ رہا ہو۔ ویسے یہ کام تھا ہی ایسا کم از کم کسی عام انسان کے بس کا نہ تھا۔ اگر یہ سب کچھ ان کی آنکھوں کے سامنے نہ ہوتا اور ان کے اپنے ساتھ نہ ہوتا تو شاید وہ زندگی بھر اس پر یقین نہ کرتے۔

ادھر شہزاد کی کوششیں بھی رنگ لائی تھیں اور فیصل بھی ہوش میں آ گیا تھا۔

اسی لمحے دیوار پر سکرین ایک بار پھر روشن ہو گئی۔ اس بار سکرین پر خسرو کے

ساتھ چار نقاب پوش بھی نظر آ رہے تھے۔ یہ تنظیم کے چار بڑے تھے۔

"میرے باس آ گئے ہیں۔ اب تم مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔" خسرو کی آواز کمرے میں گونج اٹھی اور اس کا لہجہ تمسخرانہ تھا۔

"پہلے بھی تمہارے باسوں نے ہمیں گولیوں سے بھوننا چاہا تھا۔ لیکن نتیجہ کیا ہوا، یہ تم سب نے دیکھ لیا۔ اب بھی وقت ہے کہ تم لوگ معافی مانگ لو اور تنظیم کو ختم کر دو۔ میں وزیر اعظم سے کہہ کر تمہیں معافی دلا دوں گا۔" اس بار رضا کاشانی نے خسرو سے مخاطب ہو کر کہا۔

"خسرو! وقت ضائع مت کرو۔ بس ان کو ختم کر ڈالو۔" ایک نقاب پوش نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"جی بہتر باس!" خسرو نے کہا اور پھر اس کے ساتھ ہی سکرین آف ہو گئی۔

اور دیوار برابر ہو گئی۔

ان سب کا رُخ اس طرف ہو گیا جدھر دیوار کے پیچھے وہ دروازہ تھا۔ ان کا خیال تھا کہ ابھی دیوار ہٹے گی اور پھر دروازے سے مسلح افراد ان کو مارنے کے لئے اندر داخل ہوں گے اور وہ ان سب پر جھپٹ پڑنے کے لئے پوری طرح تیار تھے۔ لیکن ان سب کا اندازہ غلط ثابت ہوا۔ اور وہ سب یہ دیکھ کر بری طرح اچھل پڑے کہ بجائے دروازہ کھلنے کے کمرے کی سنگین اور سپاٹ چھت خاصی تیز رفتاری سے نیچی ہوتی جا رہی تھی اور ان کا اور چھت کا فاصلہ تیزی سے کم ہوتا جا رہا تھا۔ اور پھر وہ سمجھ گئے کہ اس بار وہ بری طرح پھنس گئے ہیں کہ ان کا موت کے منہ سے بچ نکلنا ناممکن ہے کیونکہ چند ہی لمحوں میں چھت فرش سے مل جائے گی اور چھت اور فرش کے درمیان ان کے جسم ہڈیاں اور

تک چپٹے ہو جائیں گے۔ =

خوفناک موت تھی اور نہ ہی وہ کو نیچے آنے سے روک سکتے تھے کوئی ایسی جگہ تھی جہاں وہ ہی کر اپنے آپ کو بچا سکتے تھے چھت ان کے سروں تک پہنچ گئی اور وہ بے اختیار فرش پر لیٹتے چلے گئے۔ لیکن خوفناک چھت تیزی سے نیچی ہوتی چلی جا رہی تھی۔ خوفناک اور ہولناک موت میں بس چند لمحے ہی باقی رہ گئے تھے اور وہ بے بسی سے آنکھیں پھاڑے موت کو نیچے آتے دیکھ رہے تھے۔

اسی لمحے عمرو کے خوفناک قہقہے ان کے کانوں تک پہنچے۔ اور پھر چھت ان کے جسموں تک پہنچ گئی۔ وہ برابر نیچے کھسکتی چلی آ رہی تھی اور انہوں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ شاید ہمیشہ ہمیشہ کے لئے۔

ختم شد





آنگو بانگو اور وادی آفات

مصنف مظہر کلیم ایم اے

کیا

☆ کیا واقعی آنگو بانگو نے پاپا ٹاپو کو گرفتار کر لیا تھا —— ؟

☆ آنگو بانگو کی سردار ہوبالا کی بیٹی کوپا سے شادی ہو گئی —— ؟

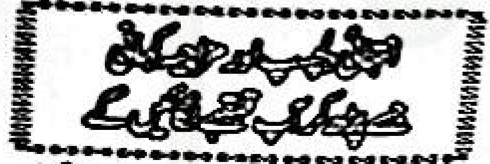
☆ پاپا ٹاپو کا انجام کیا ہوا کیا اس نے آنگو بانگو سے انتقام لے لیا —— ؟

☆ آدم خور جزیرے پر آنگو بانگو نے کیا کیا حماقتیں پھیلائیں —— ؟

☆ آنگو بانگو آدم خور جزیرے سے کیسے فرار ہوئے —— ؟

☆ وادی آفات پر آنگو بانگو کیسے پہنچے اور وہاں انہوں نے کیا کیا کارنامے انجام دیئے —— ؟

وادی آفات کی مخلوق اور آنگو بانگو کے درمیان خوفناک جنگ۔





یوسف برادرز پاک گیٹ ملتان



خوفناک ہنگامہ

مصنف مظہر کلیم ایم اے

کیا

کیا خسرو فیصل شہزاد ذیرکولا اور رضا کاشانی کو ہلاک کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

کیا مسلم اصفہانی نے اپنی حیثیت بحال کرنے کے لئے کوئی اقدام کیا اگر کیا تو وہ کیا تھا —— ؟

■ مسلم اصفہانی نے خسرو اور چار بتوں کے خلاف بغاوت کر دی مگر کیوں؟

■ کالا گلاب تنظیم۔ خسرو اور چار بتوں کا کیا حشر ہوا۔ حیرت انگیز انجام۔

■ مسلم اصفہانی نے کالا گلاب تنظیم کی مکمل قیادت سنبھال لی۔ مگر کیسے؟



یوسف برادرز پاک گیٹ ملتان